

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

نظام امارت شرعیہ کی

مختصر تاریخ

ایجادِ دین، اعلاء کلمۃ اللہ اور خدا کی زمین پر خدا ہی کے احکام و فرمان کے نفاذ و اجراء کے لئے نظام امارت و تنظیم جماعت کی ضرورت و اہمیت کو ہمارے اسلاف نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا بلکہ حالات نے جب بھی اجازت دی حسب استطاعت اس اہم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی غلصہ و جدوجہد کی ہے اور احوال و ظروف کے مطابق بتوفیقِ ایزدی کی و مبنی دونوں عہد کی سنتوں کو زندہ کر دکھایا ہے۔ آئندہ صفحات میں اکابرِ رحمہم اللہ کی اسی انقلابی جدوجہد کی مختصر تاریخ پیش کی جا رہی ہے۔ انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے شبہات کے پردے ہٹیں گے، خدشات کے زخم مندمل ہوں گے، مسلمان منزل کو حوصلہ ملے گا۔ اور اس راہ کی صعوبتوں کے تصور نے جن کی ہمتیں پست کر دی ہیں۔ ان میں بھی قدم سے قدم ملا کر چلنے کی ہمت پیدا ہوگی۔

قیام امارت کی ضرورت علمائے اسلام نے اسی وقت محسوس کی تھی، جب کہ ہندوستان کی مسلم حکومت

امارت شرعیہ کی تاسیس

کا جوارِ مفلس کے ویٹے کی طرح ٹٹمانے لگانے تھا۔ چنانچہ اس عہد کے جماعتِ علماء کے سربراہ سید پھارن دہلویؒ کے چشم و چراپہ حضرت شمس الدین عظیمیؒ کی قیادت میں ۱۹۰۵ء میں امارت شرعیہ کی تاسیس ہوئی اور قیام امارت شرعیہ کے لئے ایک تنظیم بنائی گئی جس کا نام "جماعت اسلامی" رکھا گیا۔

بار جس جماعت نے عملی جامہ پہنانے کا بیڑہ اٹھایا وہ بھی حضرت شاہ صاحب ہی کی سافندہ پروا ختم تھی۔ یعنی حضرت سید احمد شہید بریلوی اور آپ کے رفقاء کا رہا۔ اس اجمال کی تفصیل جناب غلام رسول مہر کی زبانی سنئے۔ ہر صاحب لکھتے ہیں:

”سید صاحب سرحد تشریف لائے تھے تو آپ کو یقین ہوگا کہ شرح شریف کے احکام کی پابندی اور اسلامیت پر فدا کاری میں اہل سرحد مسلمانان ہند سے فائق و برتر ہونگے۔ لیکن یہاں پہنچ کر دو برس تک ایک ایک طبقے کے احوال و مراسم دیکھ چکنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا اسلام بھی رسمی ہے اور واقعہ بھی یہی تھا اس وقت اہل سرحد کی زندگی جاہلیت کے الواث سے اکودہ تھی لہذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ سرور سامان جہاد کے ساتھ ساتھ انھیں اسلامیت کا پابند بنایا جائے۔ چنانچہ بیٹے پائیکہ جہاد کی بیعت کے ساتھ ساتھ سب سے اقامت شریعت کی بیعت بھی لی جائے چٹانوں کی اصلاح و تنظیم کے سلسلے میں یہ دو مراقد تھے۔

چنانچہ فیصلہ کے مطابق کام کا آغاز کر دیا گیا اور مفرد ہزاروں آدمیوں نے سید صاحب کی اس دعوت کو قبول کر لیا لیکن اصل غرض انفرادی قبول و پذیرائی سے نہیں پوری ہو سکتی تھی ضروری تھا کہ ایک ہمہ گیر نظام پیدا کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے علماء و اکابر کا اجتماع ضروری تھا۔ اس اجتماع کے لئے پنجاب سمجھا گیا۔ چنانچہ سید صاحب اپنی جماعت کے ساتھ رئیس پنجتار فتح خاں کی دعوت پر وہاں پہنچے اور پہنچتے ہی بیعت شریعت کے لئے دعوت عام کا سلسلہ شروع کر دیا اس سلسلے میں مختلف بستیوں اور قبیلوں میں دورے فرماتے اور علماء و اکابر کو جمع کر کے پابندی احکام اسلام کی ہدایت کرتے، دوروں اور خط و نصیحت کے ذریعے سے قبول عام کا جذبہ بیدار ہو گیا تو فیصلہ ہوا کہ پنجتار میں اجتماع عظیم منعقد کیا جائے، جس میں سرحد کے ہر حصے سے علماء و خواہن شریک ہوں یکم شعبان ۱۲۳۷ھ (۶ فروری ۱۸۲۱ء) کی تاریخ اور جمعہ کا دن اس اجتماع کے لئے تجویز ہوا، خواہن و اکابر کے علاوہ دو ہزار کے قریب علماء اس موقع پر آئے، اتنے ہی ان کے تلامذہ تھے (بعض مکاتیب میں ہے قریب ہزار علماء و طلبہ تھے) اس اجتماع میں سید صاحب نے افتتاحی تقریر فرمائی جس کے آخر میں اہل پنجتار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ ہماری بات ماننا چاہتے ہیں تو اسی مجمع میں مالی لیجے و رشتہ دار کا رشتہ کٹ جائے گا میں خدا سے عرض کروں گا کہ ایک عاجز بندہ

ہوں، میری خواہش اس کے سوا کچھ نہیں کہ سب لوگ احکام الہی سے فرمانبردار بن جائیں۔
تقریر پوری کر کے سید صاحب خود جمع میں سے اٹھ گئے، علماء آپس میں مشورے کرتے رہے
آخر اس فیصلے پہنچے کہ ”نظام شرعی کا قیام“ لازم ہے۔ نماز جمعہ کے بعد سب نے سید صاحب
کے ہاتھ پر اقامت شریعت کے لئے بیعت کی۔

استفتاء اور اس کا جواب

بیعت کے بعد ایک استفتاء علماء کی خدمت میں پیش
کیا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر کوئی شخص امام کی

بیعت کرنے اور اس کی اطاعت اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد خدمت دین اور اجرائے شریعت میں
کے سلسلے میں امام کے کسی حکم کو رد کر دے اور مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے، بلکہ ہمدال و قتال میں بھی
شامل نہ ہو تو اس کے اور اس کے ساتھیوں کے متعلق شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟
علماء نے غور و فکر کے بعد اس کا مفصل جواب مرتب کیا اس کے مطالب کا خلاصہ یہ تھا۔

- ۱۔ اثبات امامت کے بعد حکم امام سے انتہائی سخت گناہ اور قبیح جرم ہے:
- ۲۔ مخالفوں کی سرکشی اگر اس پہلے نہ ہو پہنچ جائے کہ قتال کے بغیر اس کا استیصال ممکن نہ رہے
تو تمام مسلمانوں پر زہر ہو جاتا ہے کہ ان مخالفوں کی تادیب کے لئے تلواریں نکالیں اور امام
کے حکم کو بزور مخالفوں پر نافذ کریں۔
- ۳۔ اس معرکے میں لشکر اسلام میں سے جو شخص قتل ہو گا وہ شہید سمجھا جائے گا اور لشکر مخالف
کے مقتولین مردود و نای مقصور ہوں گے۔
- اس قوس پر علمائے سرحد میں سے پچیس^{۲۵} افراد کے دستخط تھے (جن کے نام سیرت احمد شہید
میں مرقوم ہیں)۔

اصلاح عام

فاباً ۱۵ شعبان ۱۳۳۹ھ کو جمعہ کے دن (۲۰ فروری ۱۳۳۹ھ) پھر ایک اجتماع
ہوا جو فتح خاں رئیس پنجتار کے قبیلے کے افراد پر مشتمل تھا۔ خان نے ان

سب کو بیعت کی ترغیب دی اور انھوں نے بطیب خاطر نظام اسلامی کی پابندی قبول کر لی
پھر مختلف علاقوں کے لئے سید صاحب قاضی مقرر فرمادیئے۔ مولوی سید محمد جان کو قاضی القضاۃ
نمایا گیا۔ ملا قطب الدین نگر ماری کو احتساب کا کام سونپا گیا اور تیس تفنگچی ان کے ساتھ مقرر کئے گئے

وہ قریہ قریہ اور دیہ دیہ دورہ کرتے رہے جہاں کوئی امر خلاف شرع پاتے اس کا اسناد کر کے

راویوں کا بیان ہے کہ غصوڑی ہی مدت میں پورے علاقے کی کیا پلٹ گئی۔ تمام لوگوں نے شریعت کی پابندی اختیار کر لی

پتہ داریاں ٹوٹ گئیں۔ مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہونے لگے۔ اگر ملائذ الدین کے آدنی دوسرے کام کے سلسلے میں بھی کسی گاؤں میں جاتے تو گاؤں والے ددڑے ہوئے اُتے اور بتاتے کہ یہاں کوئی بے نماز نہیں رہا۔

کیا بیعت اقامت شریعت کے بعد سید صاحب کے اختیارات فرمانروائی میں کوئی اضافہ ہوا؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ بیعت اقامت نے سیدھا

ایک سوال

سید صاحب کو نظم قوائے جہاد کا محاذ بنایا تھا۔ بیعت اقامت شریعت کی رُوسے وہ اجزائے احکام شرعی کا مرکز بن گئے۔ دوسرا خوانین پر صرف اس حد تک پابندیاں عائد ہوئیں جو از روئے شریعت حقہ ضروری تھیں لیکن ان کی ریاستیں اور سرداریاں بدستور قائم رہیں۔

(سیرت احمد شہید ج ۲ ص ۸۴ تا ۸۵ سید احمد شہید ج ۲ ص ۵۵ تا ۵۶)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ بیعت شریعت، بیعت جہاد سے الگ

ضروری تنبیہ

ہے۔ چنانچہ غلام رسول مہر صاحب نے بھی اس پر تنبیہ کی ہے۔ وہ بیعت

جہاد کی بحث کو ختم کر کے حاشیہ پر لکھتے ہیں ”یہاں یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ بعض سوانح نگاروں نے بیعت اقامت جہاد اور بیعت اقامت شریعت کو غلط کر دیا ہے۔ حالانکہ دونوں بیعتیں الگ الگ ہوئی تھیں۔ اور ان میں کم و بیش دو سال دو پہینے کا فصل ہے۔“

(ایضاح ص ۳۸۰)

حضرت امام سید احمد شہید کے واقعہ شہادت (۲۴)

(۲) نظام امارت کی دوبارہ تاسیس

ذیقعدہ ۱۲۳۳ھ کے بعد باقی ماندہ مجاہدین نے شیخ دلی محمد صاحب چلتی کو (جو امام شہید کے مخصوص احباب میں تھے) اپنا امیر نالیا پھر ۱۲۳۵ھ میں جب شیخ نصیر الدین دہلوی داماد حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی (حضرت حاجی امداد مہاجر کی کے مرشد اول) ہجرت مجاہدین کے مرکز استھان

پہنچے تو تمام مجاہدین نے ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور انھیں اپنا امیر منتخب کر لیا۔ لیکن ابن مجاہدین کی جماعت میں حضرت امام شہید کی غیبت و رجعت کے جدید نظریے کی وجہ سے اجتماعیت قائم نہ رہ سکی اور جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شیخ نصیر الدین دہلویؒ نے اگرچہ ان کے انتشار و اختلاف کو دور کرنے کی بہت کوشش کی مگر انھیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی جس کی بناء پر علماء کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد کا وہ سلسلہ جسے امام شہید نے جاری فرمایا تھا لوہان کی شہادت کے بعد منقطع ہو گیا تھا۔ دوبارہ شروع نہ ہو سکا مجاہدین کے اسی انتشار کے زمانہ میں مولانا نصیر الدین دہلویؒ کا انتقال ہو گیا ان کے بعد مجاہدین کی قیادت و شہادت کی ذمہ داری مولانا ولایت علی صادق پوری نے سنبھالی۔ چونکہ نظریہ غیبت و رجعت کے مولانا زبردست حامی اور مؤید تھے اور عقیدہ کی رُو سے امام شہید کے ظہور کے بعد انھیں کی معیت میں جہاد کیا جاسکتا تھا اس لئے ان کے ہمدانیت میں بھی حضرت امام شہید کے عظیم مقصد کو بروئے کار لانے کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی جو ہندوستان سے ہجرت کر کے قاز چلے گئے تھے انھیں ہندوستان میں دوبارہ اس بابرکت جدوجہد کو دوبارہ شروع کئے جانے کی بڑی تمنا تھی۔ اور ان کی تدبیروں پر اکثر فوہ و فکر کرتے رہتے تھے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ جاجر کی بغرض راج د زیارت زمین شریفین پہنچے اور تقریباً دو سال اس ارض مقدس میں مقیم رہے۔ اور اس سفر میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی مجلس میں حاضری اور ان سے استفادہ کا خوب خوب موقع ملا۔ چنانچہ حضرت شاہ نے انھیں جو ہر قابل پاکستان کی تربیت کی جانب خصوصی توجہ فرمائی اور ہندوستان میں انقلابی جدوجہد کی ہدایات دے کر واپس بھیجا۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے انھیں خطوط پر جن کی ہدایات ”شاہ صاحب“ نے فرمائی تھیں ہندوستان آکر استاذ الکمل مولانا مملوک علی، مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے اشتراک و تعاون کے ساتھ کام شروع کر دیا۔

(ماخوذ از التہمید لتقریف ائمۃ التجدید۔ تالیف مولانا عبید اللہ سندھی ص ۷۳، ۷۴، ۷۵)

بالآخر ۱۲۲۳ھ میں جب کہ برطانوی سامراج کے ظلم و تشدد کے خلاف برسوں کی سلگتی ہوئی آگ لا دین کر پھوٹ پڑی تو قافلہ ولی اللہی کے ان مساروں نے جو سالوں سے سامان سفر کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے تھانہ بھون کی ایک مسجد میں بیٹھ کر طے کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ زمین اللہ کی، حکومت بادشاہ کی اور حکم ایسٹ انڈیا کمپنی کا "کے جھوٹے دعوے کے خلاف اعلان کر دیا جائے کہ زمین اللہ کی، حکومت اللہ کی، اور حکم اللہ کا، ظاہر ہے کہ یہ اعلان کوئی معمولی نہ تھا، بلکہ ایک ایسی جابر و قاهر حکومت کے خلاف اعلان جنگ تھا جس کی وسیع سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد ایک تنظیم کے تحت یہ انقلابی قدم اٹھایا جائے مزید غور و فکر کی اس لئے بھی ضرورت تھی کہ اپنی ہی جماعت کے ایک بزرگ حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بحالت موجودہ اس اقدام کے شدید مخالف تھے۔ تھانہ بھون کی اسی مسجد میں ایک بار پھر مجلس شوریٰ کے ارکان سر جوڑ کر بیٹھے۔ اس مجلس شوریٰ کا انعقاد کس تاریخ کو ہوا، ارباب حل و عقد میں سے کتنے حضرات اس میں شریک ہوئے۔ ان تفصیلات سے تاریخ کا دامن خالی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے بیان سے صرف ذیل نکال کر کے ناموں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب (۲) حضرت حافظ ضامن شہید صاحب (۳) حضرت مولانا شیخ محمد صاحب (۴) حضرت مولانا شہید احمد گنگوہی صاحب (۵) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب۔ اول الذکر تین اکابر تو تھانہ بھون ہی میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ البتہ آخر الذکر ہر دو بزرگوں کو ان کے گھر دس سے بلایا گیا تھا۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے کی کارروائی کی تفصیل خود حضرت مدنی قدس سرہ کی زبانی سنی جائے کیونکہ اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی آپ کی قدر اور شخصیت تھی۔ اس لئے ان سے زیادہ صحیح رپورٹ کون دے سکتا ہے۔ حضرت مدنی تحریر فرماتے ہیں :

جب ہر دو حضرات (مولانا نانوتوی و مولانا گنگوہی

مجلس شوریٰ کی روداد

رحمۃ اللہ علیہما نے بیٹھ گئے تو ایک اجتماع میں اس مسئلہ پر

حضرت حاجی صاحب کی امارت پر بیعت اور تنظیم کی تشکیل | حضرت حاجی
امداد اللہ مہاجر

عام مسلمانوں کی اطاعت گزاری

اس نظام امارت کا ذکر مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ نے تذکرۃ الرشید میں کیا ہے، مگر تذکرۃ الرشید ایسے زمانہ میں ترتیب دی گئی ہے جب کہ واقعہ کو اس کے اصلی رنگ میں بیان

نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے مولانا میرٹھی نے اجمال و تور یہ سے کام لیا ہے۔ مزید متعلق کہ بعد کے ایڈیشنوں میں بات و صحت کے ساتھ حاشیہ ہی میں صریح بیان کر دی جاتی، مگر ناشر کی سہل انگاری سے ایسا نہ ہو سکا۔ ظاہر ہے کہ اس بھل اور تلمیح و تور یہ کے پردے میں، کبھی گئی بات کو آخذ نہیں بنایا جاسکتا۔

مولانا مناظر امسن گیلانی نے بھی سوانح قاسمی بروایت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اس کا تفصیل تذکرہ لکھا ہے حضرت شیخ الاسلام اور حضرت قاری صاحب کے بیانات میں جزدی اختلافات پایا جاتا ہے۔ ہم نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے بیان کو ترجیح دی ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی نے اپنی مشہور تصنیف التہمید کے صفحہ ۹۷ پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہند نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ مجھ سے بیان کیا تھا مگر حضرت شیخ نے کیا تفصیلات بیان کی تھیں، مولانا سندھی اس سے بالکل خاموش ہیں کاش کہ مولانا ان تفصیلات کو بیان کر دیتے تو ممکن تھا کہ اس واقعہ سے متعلق کچھ اور بائیں منصف شہود پر آ جاتیں۔

بادشاہ دہلی کی گرفتاری اور مجاہدین حریت کی ناکامی کے بعد اس نظام امارت کا شیرازہ بھی منتشر ہو گیا جس کی تفصیلات مذکورہ بالا کتابوں یا مخصوص نقش حیات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس ناکامی کے بعد اگرچہ شیخ الہند اپنے پورے عہد میں "ثمرۃ الترتیب"

تنظیم جماعت کی تیسری کوشش

جعبۃ الانصار، نظارۃ المعارف اور ریشمی رومال تحریک کے ذریعہ اسی متاع گم شدہ کی بازیافت میں کوشاں رہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی تحریک کا رد عمل اتنا سنگین تھا کہ اس دور میں دین و مذہب کے نام پر کسی تنظیم کی تشکیل تو دور کی بات ہے زبان پر اس کا نام لانا بھی جرم عظیم تھا، اس لئے باقاعدہ طور پر نظام امارت کا قیام تو اس زمانہ میں نہیں ہو سکا۔ پھر بھی حضرت شیخ الہند اپنے مخصوص اور عمدہ تلامذہ اور متوسلین سے خفیہ طور پر احیاء دین کے لئے جدوجہد پر بیعت لیتے رہتے۔ بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی بھی انھیں عمدہ تلامذہ کی فہرست میں شامل تھے جن سے یہ معاہدہ شرعی ہوا تھا (مولانا محمد الیاس

اور ان کی دینی دعوت) لیکن آہستہ آہستہ جب شکوک و شبہات کے بادل کچھ چھٹے یا بالفاظ دیگر جب مجاہدین حریت کے پے درپے حملوں سے برطانوی سامراج کی قوت میں انحلال پیدا ہو گیا اور امیران ظلم و ستم کو کسی حد تک امن و اطمینان کی نضائیں سانس لینے کا موقع نصیب ہوا تو ۶۳ سال کے طویل عرصہ کے بعد ۱۹۲۱ء میں اسی بوڑھے مجاہد (جسے درازی عمر، کثرتِ اہراض اور مالٹا کے تقریباً تین سالہ قید و بند کی صعوبتوں نے چار پائی پر لٹا دیا تھا، لیکن اس کے حوصلے جوان اور عزائم بلند تھے) کی یہ آواز ہمارے کانوں میں گونجتی ہے ”میری چار پائی کو اٹھا کر جلسہ گاہ لے چلو۔ پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ لیکن بُرا ہو ہم مصری کی چٹمک اور منافست کا کہ غیروں نے نہیں بلکہ خود اپنوں نے اس صدائے حیات انرا کو سنی ان سنی کر دیا۔ حضرت سہمان الہند مولانا احمد سعید دہلوی نے اپنی ایک تحریر میں اسی تلخ حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اگر علماء میں براہِ منت و منافست نہ ہوتی اور صوفیاء میں اربابِ امن و امان نہ

بننے کا شوق نہ ہوتا تو آج تمام ہندوستان ایک متحد نظام کے تحت زندگی بسر کر رہا ہوتا۔ اور اسلام کی حقیقی برکات سے مستمتع ہوتا۔ ان کی رُوحِ حکومت کی غلامی سے

آزاد ہوتی اگرچہ جسم غلامی میں مقید ہوتا؟ (حیاتِ سجادہ ص ۱)

قصہ مختصر جب جمعیت علماء کے دوسرے اجلاس میں حضرت شیخ الہند جیسی عظیم و ہمہ گیر شخصیت

کی موجودگی اور ان کی شدید خواہش کے باوجود علمائے ذی مراتب امیر الہند کے انتخاب پر آمادہ نہیں ہوئے تو مولانا ابوالہی سن نے اپنی بصیرت سے اسی وقت بھانپ لیا کہ امیر الہند کا مسئلہ جلد طے ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے انھوں نے صوبائی پیمانے پر نظامِ امارت قائم کرنے

کا منصوبہ بنایا اور اپنے صوبہ بہار میں اس کی حاضریل ڈالنے کی ہم شروعات کر دی چنانچہ ۲۳، ۲۴، ۲۵ شعبان ۱۳۳۹ھ (۲، ۳، ۴ مئی ۱۹۲۱ء) کو درجہنگہ میں جمعیتِ علمائے صوبہ کے اجلاس عام کے موقع پر یہ تجویز منظور کی گئی۔

لا صوبہ بہار و اڑیسہ (اس وقت اڑیسہ مستقل صوبہ نہیں بنا تھا بلکہ صوبہ بہار

ہی کا ایک جز تھا) کے محکمہ شرعیہ کے لئے ایک عالم مقتدر شخص امیر منتخب کیا جائے

جس کے ہاتھ میں تمام حاکم شریعیہ کی باگ ہو اور اس کا ہر حکم مطابق شریعت ہر مسلمان کے لئے واجب العمل ہو، نیز تمام علماء مشائخ اس کے ہاتھ پر خدمت و حفاظت اسلام کے لئے بیعت کریں۔ جو صبح دعاغت کی بیعت ہوگی، جو بیعت طریقت سے الگ ایک ضروری اور اہم چیز ہے۔ جمعیت متفقہ طور پر تجویز کرتی ہے کہ انتخاب امیر کے لئے ایک خاص اجلاس علماء بہار کا بمقام بیہ وسط شمال میں کیا جائے۔“ (تاریخ امارت ص ۵۸، ۵۹)

حسب تجویز ۱۹/۱۸، ۱۹ شوال ۱۳۹۹ھ (۲۶/۲۵ جون ۱۹۷۸ء) کو یہ اجلاس پتھر کی مسجد بیہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر صدارت منعقد ہوا، جس میں مولانا آزاد سبحانی اور مولانا سبحانی خان کے علاوہ سو سے زیادہ صوبہ بہار کے علماء شریک تھے چنانچہ اس اجلاس کی دوسری نشست میں بالاتفاق شرکائے اجلاس مولانا شاہ بدر الدین پھلوا دی کو امیر شریعت صوبہ بہار اور مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا مبارک دن تھا جس میں باقاعدہ امارت شریعیہ کا قیام عمل میں آیا جس کا سلسلہ مجد اللہ آج تک جاری ہے اب تک یکے بعد دیگرے امارت کے منصب پر چار امراء کا انتخاب ہو چکا ہے اور یہ سب جمعیت علماء ہی کی نگرانی میں ہوا ہے۔
فالحمد للہ علی ذالک۔

صوبہ بہار میں انتخاب امیر اور نظام امارت کے قیام کے بعد

۴۔ پنجاب میں امیر شریعت کا انتخاب

حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کی انجن ”خدام الدین“ کے سالانہ اجلاس ۱۹۲۶ء کے موقع پر جس میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی، ہستم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیری، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا حسین علی پھر والی حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری، مولانا ظفر علی خان، اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ پانچ سو سے زائد علماء کرام شریک تھے۔ حضرت محدث کشمیری کی تحریک پر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت منتخب کیا گیا اور پہلی بیعت خود حضرت مولانا انور شاہ کشمیری نے کی تھی۔

{ بقیہ صفحہ ۳۲ پر }